خالد دوراں
ترجمہ: محمد سہیل

اندلس کے ثقافتی اور سیاسی پہلوؤں کا از سرِ نو جائزہ
۱۴۹۲ سے قبل اور بعد کا اخراج

شاید مرحوم سید امیر علی نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو ابھی تک کوئی گبن نہیں ملا، جو انھیں ان کے زوال کی صحیح داستان سناتا۔ بے شبہ گبن کی شہرۂ آفاق کتاب

THE DECLINE AND THE FALL OF ROMAN EMPIRE

(مملکت روما کا زوال) مغربی ادب کی ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ گبن نے بڑی دیدہ وری اور بالغ نظری سے یہ کتاب لکھ کر یورپ کو درس دیا تھا کہ اگر اُنھوں نے مملکتِ روما کا شیوہ اختیار کیا تو ان کا بھی وہی انجام ہوگا جس سے مملکتِ روما جیسی عظیم طاقت دوچار ہو چکی ہے۔

بغداد (خلافتِ عباسیہ) دہلی (مغل مملکت) اور غرناطہ (اندلس) کے سقوط پر بہت کچھ لکھا گیا۔ لیکن مسلم تاریخ ابھی تک گبن کے انتظار میں ہے۔ مسلمانوں کو اپنے دورِ زوال میں گردشِ دوراں کے ہاتھوں جن سخت آزمائشوں سے واسطہ پڑا ہے، ان میں سے ایک کڑی آزمائش اندلس کی جنت سے مسلمانوں کا بے آبرو ہو کر نکلنا تھا۔ لیکن تاریخ کی داد دیجیے کہ اس نے مسلمانوں کے علمی کارناموں کو فراموش نہیں کیا اور ان کے "دشمنوں" کی زبان سے کہلوایا کہ عرب مذہبی آزادی کے قائل ہیں اور یہ امر (مذہبی آزادی کا قائل ہونا) سپین میں محکمۂ تفتیش کی نگاہ میں ایک جرم تھا۔ محکمۂ تفتیش کی اس "فردِ جرم" پر برِّ صغیر کے ایک ممتاز دانش مند نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ کاش! یہ "حسین" الزام (مذہبی آزادی کا عقیدہ) مجھ پر لگایا جاتا۔ لیکن حق و صداقت کو آج تک کون دبا سکا ہے؟ صدیوں کے بعد تاریخ نے ایک نئی کروٹ لی ہے اور اس خوں چکاں داستان کے غم کو ہلکا کرنے کا

سر و سامان کر دیا ہے ۔

عہدِ حاضر میں مغرب میں حریتِ رائے کے فروغ، روحِ مذہب کی واپسی اور لبرل افکار کی اشاعت نے ان زخموں کو مندمل کرنے میں ایک صحت مند کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ اب مسلمان اندلس میں جا سکتے ہیں اور قرطبہ و غرناطہ کی مساجد میں نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔ عیسائی سپین کے اس صحت مند طرزِ عمل سے اندلس میں صدیوں کے بعد صلیب اور ہلال گلے مل گئے ہیں ۔ امید کی جاتی ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ایک مثبت کردار ادا کر سکیں گے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خود اپنے من میں ڈوب کر زندگی کا سراغ پائیں اور علم و دانش اور فکر و نظر کی ایک نئی روایت سے آراستہ ہو کر ایک نئے اندلس کی تخلیق میں سرگرمِ عمل ہو جائیں ۔

سقوطِ اندلس پر پانچ سو برس گزرنے کے بعد مغرب میں سیمینار کا انتظام کیا گیا، ایسے ہی پاکستان میں بعض علمی اداروں نے۔ مثلاً ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد — نے اندلس پر تحقیقی مقالات بھی شائع کیے ۔ مقامِ مسرّت ہے کہ ہم اس موقع پر ڈاکٹر خالد دوراں کا ایک مقالہ "المعارف" میں شائع کر رہے ہیں ۔ ڈاکٹر دوراں، یورپ کی بنیادی زبانوں — انگریزی، فرانسیسی، جرمن، سپینش — پر عبور رکھتے ہیں اور ایسے ہی عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر بھی — فطرت نے ڈاکٹر موصوف کو بڑی فیاضی سے ذوقِ جستجو اور لذتِ عمل کی دولت سے نوازا ہے۔ چنانچہ ان کی متحرک شخصیت نے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر قیمتی مقالے لکھے ہیں۔ اُمید ہے وہ آئندہ بھی "المعارف" کے لیے امریکہ سے اپنے مقالات بھیجتے رہیں گے ۔

(رشید احمد)

۱۹۹۲ء کا سال جنوبی سپین کے صوبہ اندلس میں تنازع کا سال ہے۔ اس کی وجہ امریکہ کی

دریافت کی ۵۰۰ ویں سالگرہ نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ ۱۴۹۲ء میں "شمال کی طرف سے غیر ملکی حملہ آوروں" کے ہاتھوں مورش (Moorish) سلطنت کی تسخیر ہے۔ سپین ہی میں نہیں، بلکہ یورپ اور امریکہ کے علاقوں میں بھی ۱۴۹۲ء کے سال کو سپین سے یہودیوں کے اخراج کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اندلس میں لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اس سال مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو یہاں سے نکال دیا گیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ سپین سے مسلمانوں کا اخراج ۱۴۹۲ء سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا جو پوری ۱۶ ویں صدی میں جاری رہا۔ مسلم سپین کے اہم ترین شہر جیسے قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ ۱۳ ویں صدی کے آغاز میں عیسائی سپین کے ہاتھوں فتح ہو گئے تھے اور مقامی آبادی (جس کی بھاری اکثریت مسلمانوں کی تھی) کے لیے اس کا مطلب تھا کہ اب انھیں یا تو عیسائی بن کر رہنا پڑے گا، یا پھر شمالی افریقہ کی طرف کوچ کرنا پڑے گا۔

تقریباً ۱۵۰۰ء کے بعد سے کسی شخص کو بھی اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت نہ تھی حالانکہ اُس وقت بھی وہاں ایسے بیس لاکھ ہسپانوی موجود تھے جنھیں مسلمانوں کی اولاد (Moriscos) کہا جاتا تھا[۱] لیکن انھیں بھی مسلسل جبر و استبداد کے ذریعے وہاں سے نکال دیا گیا۔ اس قسم کا بڑے پیمانے پر آخری اخراج ۱۶۰۹ء میں ہوا۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق مسلمانوں اور مورز کی تعداد تیس لاکھ سے کم نہ تھی جنھیں کئی صدیوں تک سپین چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان اس امر کی وجہ سے کبیدہ خاطر اور برہم ہیں کہ اُن کے ایلیے کا ذکر تو یونہی کیا جاتا ہے، جب کہ یہودیوں کے اخراج پر بہت واویلا کیا جاتا ہے، حالانکہ یہودیوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس ایلیے کو تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ یہودیوں کا اخراج اس عظیم تر مسلم ایلیے کا لازمی نتیجہ تھا لیکن آج سپین میں یہودیوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو نمایاں کر کے پیش کیا جا رہا ہے، یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ امر سپین میں غیر کیتھولک کے ساتھ پیش آنے والے ایلیے کے ایک

جزو کو بڑھا چڑھا کر بہت بڑا واقعہ بنا کر پیش کرنے کے مترادف ہے ۔

ایک مشہور ہسپانوی کہاوت میں اس پوری بات کا خلاصہ آجاتا ہے جس کا مطلب ہے "یا تو ہم تمام مسلمان ہیں یا تمام عیسائی" (o somos todos moros, o somos todos cristianos) دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کے زمرے میں یہودی بھی شامل تھے، اور ان دونوں کو ایک ہی سمجھا جاتا تھا چنانچہ بہت سے یہودیوں نے اپنے ہم وطن مسلمانوں ہی کا طور طریقہ اختیار کر لیا تھا اور اسلامی ملکوں میں سکونت اختیار کر لی تھی، جن میں نہ صرف مغربی ممالک بلکہ بلقان بھی شامل تھا جو اس وقت سلطنت عثمانیہ کے زیر نگین تھا ۔

کیتھولک، سپین میں مسلمانوں کی آمد کا ذمہ دار یہودیوں کو قرار دیتے تھے ۔ غدار یہودی، (el judio traicionero) والا محاورہ حضرت عیسیٰ کی موت کی بہ نسبت اُس داستان کی زیادہ نمائندگی کرتا ہے جس کے مطابق یہودیوں نے مراکش میں مسلمانوں کی مدد کی اور پھر آٹھویں صدی کے آغاز میں سپین کی فتح میں مسلمانوں کی معاونت کی تھی ۔

سپین کے کیتھولک، سپین سے یہودیوں کے اخراج پر نہیں، بلکہ سپین سے مسلمانوں کے اخراج پر فرڈیننڈ اور ازابیلا کے نام پر ایک تہوار "کیتھولک کنگز" منایا کرتے تھے ۔

توازن کا حصول: بلاس انفانٹے اور پارٹیڈو اندلیسیہ

۱۹۳۰ء میں جمہوریہ ہسپانیہ کے کھنڈرات پر فرانکو کی فوجی آمریت کے قیام سے پہلے سپین کی تاریخ نگاری کی سمت کا از سر نو تعین ہوا اور اسلامی عہد (۱۴۹۲ء ۔ ۷۱۱ء) کو مثبت انداز میں پیش کیا جانے لگا ۔ یہ رجحان فوجی جنرل کے چالیس سالہ آمریت کے آہنی دور میں بھی ختم نہ ہوا اور ۱۹۷۰ء کے آخری برسوں میں اس رجحان نے عروج حاصل کر لیا۔ جنوب کے دارالخلافے اشبیلیہ میں ہر چیز خصوصاً پی ۔ ایس ۔ اے کو (PARTIDO

(SOCIALISTA ANDALUZ) جو اندلس کی خود مختاری کا مطالبہ کرنے والی ایک مقامی جماعت تھی تہس نہس کر دیا گیا۔ بعد میں جماعت کے نام کو پی۔اے (PARTIDO ANDALUCISTA) میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس جماعت کو کبھی اکثریت حاصل نہ ہوئی، پھر بھی یہ کئی شہروں میں غالب تھی، مثال کے طور پر اشبیلیہ میں یہ۔

اندلسی قومیت کی تعمیر بلاس انفانٹے کے ورثے پر ہوئی۔ پی۔اے نے بلاس انفانٹے کی موت کے بعد اس کے نظریۂ قومیت کے بانی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں ملاغہ کے ایک سوشلسٹ اور ذہین مصنف کو کارمونا کے شہر میں فاشسٹ فوجوں کے ہاتھوں سزائے موت دی گئی۔ وہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ اُس نے ایک ترانہ el himno de Andalucía لکھا اور اس کی دُھن بھی خود ہی ترتیب دی۔ اندلس کا قومی ترانہ اسی سے بنا۔ "صدیوں بعد سبز و سفید پرچم واپس لوٹ رہا ہے، ہم جو اندلسی تھے، پھر وہی بننا چاہتے ہیں۔ اپنی سرزمین اور اس کی آزادی کا مطالبہ کرو۔"

اپنی جماعتی وابستگیوں سے قطعِ نظر سبز — سفید — سبز پرچم تمام اندلسیوں کی مشترکہ میراث ہے اور یہ پرچم ہمیشہ سپین کے قومی پرچم کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے اس پرچم کو سب سے پہلے دسویں صدی میں اشبیلیہ کی مشہور مسجد جیرالڈا (Giralda) کے مینار پر دیکھا گیا تھا۔ پندرھویں صدی کی جنگ میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ۲۲ پرچم تسخیر کر لیے تھے۔ اُن میں ۱۸ پرچم سبز اور سفید تھے۔ ہارنے والوں کی نشاندہی کے لیے اندلسیوں نے ان پرچموں کے رنگوں کو صوبائی جھنڈوں کے لیے منتخب کر لیا تھا۔

روایتی طور پر ہسپانوی، وسی گاتھ کو، جن کے زیرِ نگین سپین عیسائی بنا اور کاستلی کو جنھوں نے اسے دوبارہ مسلمانوں سے فتح کیا، بہت مضحکہ خیز سمجھتے ہیں۔ بلاس انفانٹے اور بعد میں آنے والے مُصنفوں نے تصویر کے اس رُخ کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ اب فونیشنوں اور یونانیوں کو اچھے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ ابتدا ہی میں اندلس کے ساحلوں پر رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ اُن کے نزدیک رومی بالکل درست ہیں، لیکن وسی

گاتھ کو وہ وحشی قبائل تصوّر کرتے ہیں، جنھوں نے خوب صورت زمین برباد کردی۔ عرب بھی، اُن کے خیال میں، اچھے ہیں، جنھوں نے دسی گاتھ اور اُن کی جرمنی طرز کی بربریت اور کیتھولک تعصب کا خاتمہ کیا، جب کہ کاستلی سامراج کی حیثیت سے آئے اور اُنھوں نے ہر خوب صورت چیز کو تباہ و برباد کردیا اور ملک کے تمام مال و دولت پر قبضہ کرلیا۔ وہ غیر ملکی تھے اور انھوں نے تمام اندلسیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ لیکن جن لوگوں کو اُنھوں نے وہاں آباد کیا، وہ وہاں کی اصل آبادی کے بچے کھچے لوگوں میں مل گئے اور اُس سرزمین کی روح کو اپنے اندر جذب کرکے اور شمالی شہنشاہیت کا مقابلہ کرکے خود بھی اندلسی بن گئے۔

تاریخ کا یہ نقطۂ نظر تصوریت پرستی پر مبنی ہے لیکن ہسپانوی حکومت کی طرف سے دیے گئے سابقہ نقطۂ نظر کی بہ نسبت خاصا معقول ہے، جس کے مطابق دسی گاتھ اور کاستلی شریف النفس لوگ تھے، جب کہ مسلمان بالکل بدو اور گنوار۔

کسی بات کا صحیح تناظر چند دانشوروں کے مطالعے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس میں انتہائی نچلے درجے کے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں درسی کتب اور اس موضوع پر بڑی تعداد میں دوسری تصانیف کے شکر گذار ہیں[۳] نتیجتہً غرناطہ میں ہر سال ۲ر جنوری کو دستور کے مطابق فوجی پریڈ کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہوتے ہیں۔ یہ پریڈ سپین میں مسلمانوں کے آخری قلعے کی کاستیلیوں کے ہاتھوں فتح کی یادگار کے طور پہ منائی جاتی ہے۔ ۲ر جنوری ۱۴۹۲ء کو لمبس کے ہاتھوں امریکہ کی دریافت کی علامت ہے۔ اندلسی اسی تاریخ کو اپنے ملک کے لیے یوم ماتم مناتے ہیں۔

شمالی افریقہ میں آج کل کے اندلسی

بلاس انفانٹے کے مطالعۂ تاریخ نے اُسے بہت سی باتوں کی اہمیت کا احساس دلایا جن کو اکثر ہسپانوی نظر انداز کردیتے تھے۔

۱۔ تاریخ سپین کے تمام مُور ہرگز عرب یا بربر نہ تھے۔ اس کے برخلاف ایک بڑی اکثریت (خصوصاً بعد والی صدیوں میں) مقامی نومذہب یا مخلوط نسل کے لوگوں کی تھی[۴]

حقیقت میں انھیں ملکی ہی سمجھا جانا چاہیے، حالانکہ وہ یقیناً فونیشیوں، یونانیوں، رومیوں، وانڈلوں، وسی گاتھوں، عربوں، بربروں اور یہودیوں کے ساتھ مخلوط تھے۔

لیکن اب وہ کہاں ہیں؟ وسیع پیمانے پر اخراج اور جابر محکمۂ "تفتیش و تحقیقات" کی وجہ سے اس آبادی کے صرف چھوٹے چھوٹے گروہ بچے یا پھر نئی آبادی کے ساتھ نسلی اختلاط کی وجہ سے تھوڑے سے لوگ ہیں جنھیں شمال سے لایا گیا ہے۔

۲۔ اصل اندلسی باشندے ختم نہیں ہوئے۔ وہ اب بھی لاکھوں کی تعداد میں شمالی افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب میں ترپیولی (لیبیا) تک خصوصاً تیونس اور مراکش میں موجود ہیں۔ اندلسی نسل کی ایک بہت بڑی تعداد مراکش اور رباط کے شہروں فیض اور میکینز میں رہتی ہے۔ سپین کے زیر حکومت طیطوان اور لاراچے دو ایسے قصبے ہیں جہاں اندلسیوں کی اکثریت ہے۔

۳۔ بلاس انفانٹے معجزانہ طور پر اندلس کی قرون وسطیٰ کی ثقافت کی از سر نو دریافت کا آرزومند رہا اور دوسری ثقافتوں کے برخلاف جو ۵۰۰ سے ۶۰۰ سال کے عرصے پر محیط رہیں، وہ زیادہ تر اسی سے متعلق رہا۔

فیض کا وہ حصہ جو اندلسی تھا، عجائب گھر کی طرح پندرھویں صدی کے غرناطہ کی زندگی کی واضح طور پر عکاسی کرتا ہے۔[۵]

۴۔ شمالی افریقہ میں اندلسی نسل کے لوگ عموماً الگ تھلگ گروہ کی شکل میں رہتے ہیں۔ خصوصاً اُن شہروں میں جہاں اُن کی اکثریت ہے وہ زیادہ تر آپس ہی میں شادیاں کرتے ہیں۔ بظاہر وہ نیلی آنکھوں والے بالکل یورپین نظر آتے ہیں، اور ان میں اور ہسپانیوں میں عموماً کوئی فرق نہیں ہے۔ جو عربی زبان وہ بولتے ہیں، اُس میں ہسپانوی الفاظ کی بہت زیادہ آمیزش ہوتی ہے۔ اگر بہت زیادہ نہیں تو کئی لوگ ہسپانوی نام رکھتے ہیں، جیسے آسیکیو، جوریو، مولین، مورو، شنسو اور توریس وغیرہ۔

اس کے برعکس سپین میں اندلسی عموماً عرب وضع قطع کے ہوتے ہیں اور عربی نام رکھتے ہیں۔ بلاس انفانٹے بہت جلد اس امر سے آگاہ ہو گیا تھا کہ مدینہ اور آلموڈوار جیسے

ناموں والے ہسپانوی نسلی لحاظ سے کم تر درجے کے مسلمان ہوتے ہیں۔ وہ شمال میں مقیم اُن لوگوں کی اولاد ہیں جو اِن علاقوں میں مسلمانوں کے اخراج کے بعد رہائش پذیر ہوئے۔

۵۔ اصل میں اُن کے درمیان مذہب کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ دس لاکھ سے زائد شمالی افریقہ کے عربوں کو وہاں سے نکال دیا گیا، حالانکہ وہ کئی نسلوں سے کیتھولک تھے۔ اُن لوگوں میں کاہن، راہب اور راہبات بھی تھیں، جو اپنے آپ کو صرف اور صرف ہسپانوی اور کیتھولک سمجھتے تھے۔ اُن کا گناہ صرف یہ تھا کہ اُن کے اجداد میں سے کوئی مسلمان تھا۔ اور بعض اوقات تو یہ صورت بھی نہ تھی اور بہت سے لوگوں کو شمالی افریقہ کے عرب ہونے کا غلط الزام دے کر ہی نکال دیا گیا۔ ایک دفعہ اُنھیں مراکش میں ایک بالکل نئے مذہب کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنے کے سلسلے میں بڑی دشواری پیش آئی، کیونکہ اُن کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف ہسپانوی قوم کے تعصبات موجود تھے۔ اُن میں سے چند ایک کا انجام مقامی جیلیں ہوئیں، کیونکہ اُنھوں نے مقامی لوگوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی تھی۔

آبنائے جبل الطارق کے دونوں اطراف میں رہنے والے اندلسیوں کے لیے یہ ایک سبق تھا۔ آج آپ یورپی نظر آنے کی وجہ سے مشکوک ہیں، تو کل افریقی نظر آنے کی وجہ سے آپ کو الگ سمجھا جائے گا۔ آج آپ پر مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم ہو رہا ہے، تو کل خفیہ عیسائی ہونے کی وجہ سے آپ موردِ طعن ٹھہریں گے۔

ہر سہ پہر دو سے تین بجے کے درمیان رباط ریڈیو اندلسی موسیقی نشر کرتا ہے۔ وہ دھنیں جو صدیوں سے تبدیل نہیں ہوئیں، موروثی آلات پر بجائی جاتی ہیں۔ ملک کے دوسرے حصوں کے بہت کم مراکشی اس دوران میں اپنے ریڈیو بند کرتے ہیں، کیونکہ اُن کے مذاق کے مطابق یہ موسیقی بڑی حد تک یورپی موسیقی سے ملتی جلتی ہے، جب کہ ہسپانیہ میں ہر شخص ریڈیو بند کر دیتا ہے، کیونکہ کوئی شخص عربی موسیقی کو برداشت نہیں کر سکتا۔

اِن حالات میں بلاس الفانٹے نے نتیجہ اخذ کیا کہ رومی، سینیکا سے لے کر عرب، ابنِ

طفیل تک، قرطبہ کے بہادر فلسفیوں کی روایت کے مطابق ایک اندلسی صرف انقلابی انسان دوست ہی ہو سکتا ہے۔

بلاس انفانٹے نے وہ کام کیا جو اُس زمانے میں کسی ہسپانوی نے نہیں کیا۔ وہ اصل اندلسیوں کی تلاش میں مراکش گیا، مثال کے طور پر وہ اشبیلیہ کے شاعر بادشاہ المعتمد کی قبر پر گیا، جو مراکش میں جلاوطنی میں فوت ہوا تھا۔ وہاں اس نے اندلس کے اُس آزاد شخص کی اپنی اولاد کے ساتھ لی گئی تصویریں دیکھیں۔

ایک لمحے کے لیے انفانٹے سپین کی اندلس سے علیحدگی اور اسے شمالی مراکش کے ساتھ ملا کر ایک ایسی خود مختار ریاست کے قیام کی تحریک پیدا کرنے کے تصور سے بھی دل بہلاتا ہوا نظر آتا ہے جس میں آبنائے جبل الطارق کے دونوں طرف رہنے والے اندلسیوں کو یک جا کر دیا جائے۔

انفانٹے اپنی مخصوص تاریخی رومانیت کے باوجود ایک اچھا خاصا حقیقت پسند سیاستدان بھی تھا، جو ان غیر حقیقی تصورات کی آرزو نہیں کر سکتا تھا، جو ناقابل عمل ہوں۔ اُس نے علیحدگی پسند کی حیثیت سے کبھی تحریک نہیں چلائی اور اُس کی اندلسی قوم پرستی سپین کی مرکزی حکومت کی نسبت قیطیلان کی خود مختاری کے لیے زیادہ خطرناک تھی۔ زبان ایک فیصلہ کن عنصر تھی۔ اندلسی، کاستلی زبان، خواہ اُن کا لہجہ کیسا ہی تھا، بولتے تھے۔

تاہم انفانٹے کی تحریروں اور پی۔ اے کی سرگرمیوں نے اندلس میں مکمل طور پر انقلاب برپا کر دیا۔ جنوبی سپین نے شمالی افریقہ سے پہلے ہی مُنہ موڑ لیا تھا۔ حالانکہ مراکش وہاں سے صرف چند میل کے فاصلے پر ہے، بہت سے لوگ سپین کا زیر حمایت علاقہ آبنائے جبل الطارق کے دوسری طرف خیال کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے ریڈیو لگاتے ہیں تو ہسپانوی نشریات اُن تک پہنچنے کے لیے چار یا پانچ اسٹیشنوں کے اوپر سے گذرتی ہیں، اس کے باوجود کبھی کوئی شخص عربی موسیقی نہیں سنتا۔

چند لوگ، جن کے ذہنوں میں مسلم سپین کی عظمتوں کا تصور ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عظمت مشرق یا شاید دمشق کے کچھ خاص قسم کے عالی مرتبت عربوں کی وجہ سے تھی اور مراکشی، سپینش تہذیب کے خلاف بغاوت کرنے والے غیر مہذب قبائل کے سوا کچھ نہ تھے۔ اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ مراکش جانے والے ہسپانوی سیاحوں کی تعداد میں برابر اضافہ کیوں ہو رہا ہے تو اُسے اس پس منظر اور ان رجحانات سے آگہی حاصل کرنا ضروری ہے۔

۱۹۶۰ء تک ہسپانوی اور مراکشیوں کے درمیان وجہ امتیاز جہالت کی ایک وسیع خلیج تھی۔ یہ بات ہسپانوی زیر حمایت علاقے کے آخری جنرل کے ذریعے بھی واضح ہوتی ہے جو یہ جان کر حیران و ششدر رہ گیا تھا کہ طیطوان کے شہر میں بہت سے خاندان ایک مخصوص روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں، جس کے مطابق کچھ لوگوں کے پاس ابھی تک اُن گھروں کی چابیاں محفوظ ہیں جو سپین کے مختلف شہروں میں اُن کے آبا و اجداد کی ملکیت تھے۔

قصبے میں غرناطہ کے آخری بادشاہ کی نسل کی موجودگی کے بارے میں جان کر وہ جنرل اس طرح لرز اٹھا تھا جیسے اُس نے فرعونوں کے تابوتوں کو دریافت کیا ہو۔ وہ فوراً ابو عبیدہ الاحمر (جسے ۲ جنوری ۱۴۹۲ء کو زبردستی غرناطہ سے نکال دیا گیا تھا) کے قبیلے کی نسل کے سردار محمد الاحمر کو ملنے گیا۔ جب اُس جوشیلے جنرل نے الاحمر سے پوچھا کہ آیا اُسے غرناطہ کی سیر کرنے کی کوئی آرزو ہے تو الاحمر نے بتایا کہ وہ ایمسٹرڈم میں جوتوں کے کارخانے میں ملازم ہے اور مراکش سے ہالینڈ کے لیے براستہ غرناطہ ہی سفر کرتا ہے۔

ہر سال پانچ لاکھ سے زائد مسلمان جن میں سے اکثر فرانس، بلجیم اور ہالینڈ میں کام کرتے ہیں، چھٹیاں شمالی افریقہ میں گذارنے کے لیے سپین ہی راستے آتے اور جاتے ہیں۔ مراکشیوں کے پورے راستے میں سپین کا ریڈ کراس اور مراکش کا ہلال احمر مل کر کام کرتے ہیں۔ انھوں نے طبی امداد کے مشترکہ مراکز بھی قائم کر رکھے ہیں [٥٦] جس کے نتیجے میں دو گروہوں کے مقاصد کی یکجہتی کے اظہار کی نئی علامت پیدا ہوتی ہے۔ ایک ہی سفید جھنڈے پر ہلال احمر اور صلیب کا نشان دکھائی دیتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ کئی صدیوں کی بے حاصل دشمنی کے بعد آخر کار اسلام اور عیسائیت گلے مل گئے ہیں۔

اس کے باوجود القلعہ اور وادی الولید جیسے عربی ناموں والے شہروں اور مسلمانوں کی شان و شوکت کی یادگاروں سے گذرتے ہوئے کئی لوگوں پر ایک جذباتی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ بات بڑی حیران کن اور خوش گوار ہے، یعنی دونوں طرف کوئی زیادہ تلخی نہیں ہے۔ مسلمان تارکین کے لیے فراخدلی کا جذبہ ایک فیصلہ کن عنصر ہے۔ ان تارکین میں سے ۲۰۰،۰۰۰ سے زیادہ سپین میں ہیں۔ ان کے درمیان شادی بیاہ عام ہے اور سابقہ مساجد ان کے لیے ممنوعہ جگہیں نہیں ہیں۔ کچھ مراکش کے اندلسی غرناطہ میں الحمرا جیسی جگہوں پر ہمیشہ منڈلاتے رہتے ہیں لیکن کوئی اجنبی ان میں اور مقامی لوگوں میں فرق نہیں کر سکتا۔

میڈریاڈ میں غرناطہ سے تعلق رکھنے والے فادر ایمیلیو کالینڈو آگیلار "عیسائی مسلم مذاکرہ" Islamo-Cristian کے نام سے رسالوں کا جو طویل سلسلہ شائع کرتے ہیں، اس نے عیسائی مسلم تعاون کو فروغ دینے کی تحریک کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ تحریک CRISLAM کہلاتی ہے اور ابن عربی کی تحریروں سے اپنی مذہبی بنیاد حاصل کرتی ہے۔ ابن عربی کو لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہر زمانے میں ممتاز ولی اور عظیم صوفی (الشیخ الاکبر) تسلیم کرتی رہی ہے۔ اُن کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اُن کا تعلق مرسیا، سپین سے تھا۔ "ان کا دل، بہ قول اُن کے، ایک راہب کے لیے کلیسا، مسلمان کے لیے کعبہ اور یہودی کے لیے تورات کے صحیفے بن چکا تھا۔"

یہ تمام باتیں ماضی کی صدیوں پرانی تلخیوں کو ختم کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ اس کا ایک اور طریقہ ہے جو آج کل سپین میں عام ہے۔ یہ سپین کے سابق اشتراکی میئر کا طریقہ ہے جس نے اپنے عیسائی بشپ کو بتایا کہ وہ اس بات کا بھی بڑا خیال رکھتا ہے کہ شہر کی مسجد، مسجد ہی کے فرائض انجام دے رہی ہے، یا پھر کہیں وہ گرجے میں تو تبدیل نہیں ہو گئی۔ کیونکہ اس جگہ ہر شخص کو ابھی تک اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت ہے۔

سپین کی حکمران سوشلسٹ پارٹی، جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹ سے قریبی تعلقات قائم کیے ہوئے ہے، نتیجتہً پی۔ اے شمالی افریقہ کے ہمسایہ ممالک کی سیاسی پارٹیوں سے تعلقات بنانا ایک فطری اور قدرتی بات سمجھتی ہے۔ تاہم یہ بات اتنی آسان ثابت

نہیں ہوئی۔ اندلسی ایک ایسی جماعت چاہتے تھے جو جمہوری ہونے کے ساتھ ساتھ سوشلسٹ بھی ہو۔ وہ جانتے تھے کہ مسلم سپین، ثقافتی شان و شکوہ، تاریک و سیاہ، ایسے ہی حکمت یا جمود و تعصب کے کئی ادوار دیکھے ہوئے ہے۔ وہ اسلام کی عظیم روحانی اقدار کو کیتھولک کی روحانی اقدار سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ مسلمان بنیاد پرستوں کی بھی اتنی ہی مخالفت کرتے ہیں، جتنی سپین کے بدنام قوم پرست کیتھولک فرقے کی۔

اس زاویۂ نگاہ نے عرب دُنیا میں جماعتوں کے انتخاب کو محدود کر دیا ہے۔ آخر کار اُنھوں نے عراق کی بعث پارٹی کو اپنا ساتھی منتخب کیا جس کا جغرافیائی بُعد جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹ سے کم نہیں۔

۱۹۷۸ء تک صدام حسین کی ذات کے بارے میں شکوک پائے جاتے تھے، لیکن جہاں تک معاشی ترقی، آزادیٔ نسواں اور آزاد خیالی کا تعلق ہے، بعث پارٹی کا ریکارڈ اچھا خاصا ہے۔ بعث پارٹی، الجیریا کی ایف۔ ایل۔ این جو سپین کے کینری کے جزائر کی علیحدگی پسند تحریک کی حمایت کرتی ہے، کی بہ نسبت زیادہ ترقی پسند اور کم بدنام ہے۔

اگر عرب دنیا کے بارے میں اہلِ اندلس کے موقف کو صحیح طور پر سمجھنا مقصود ہو، تو پی۔ اسے کی تاریخ اور اس کے آخری نظریہ ساز بلاس انفانٹے کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ پراپیگنڈا گمراہ کن ہے کہ یہ محض چندہ اکٹھا کرنے کی (خصوصاً قذافی سے) کوشش ہے۔ اندلسی قومیت کی یہ تحریک اُس وقت شروع ہوئی جب سپین مسلم دشمن تعصبات میں گرفتار تھا اور اسے عرب دُنیا سے کچھ بھی ملنے کی توقع نہ تھی۔

۱۹۸۰ء میں، جب پی۔ ایس۔ اے عروج پر تھی۔ (اگرچہ اب یہ کچھ سکڑ گئی ہے، لیکن پہلے کی نسبت مضبوط ہے) تو اس میں موجود اسلام حمایت گروہ کو دوسری جماعتوں کی طرف سے مخالفانہ پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا گیا۔ مثال کے طور پر سور کے گوشت پر پابندی عائد کرنے کے سلسلے میں چیئرمین (ARM) کے منصوبے کی تضحیک کی گئی۔ جب مشہور گلوکار کارلوس کانو نے مسلمانوں کی اذان کا ریکارڈ پیش کیا، تو خمینی کی طرف سے اُس پر لاکھوں روپے وصول کرنے کا الزام لگایا گیا (حالانکہ ممکن تھا کہ جس انداز میں اُس نے اذان کو "گایا" تھا، اس پر

اس پر آیت اللہ خمینی اُسے جیل میں ڈال دیتے) ۔

سپین میں عربوں نے (خصوصاً کویتیوں نے) جس قدر روپیہ فراہم کیا، اس کا پی ایے کے عرب نواز نقطۂ نظر سے کوئی تعلق نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سرمایہ کاری زیادہ تر اندلس کی بجائے سپین کے دوسرے حصوں میں کی گئی، کوسٹا ڈیلسول جو ماربیلیا کا چھوٹا سا قصبہ ہے عرب امراشاہی کا پسندیدہ گوشہ بن چکا ہے، لیکن اس کا اندلسی قومیت کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں ۔ عرب دُنیا نے نہ صرف دانشوروں سے کوئی تعلق نہ رکھا بلکہ اندلس کی ثقافتی سمت کو ازسرِ نو تعیّن کرنے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی ۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شمالی افریقہ میں لوگ آج نصف صدی پہلے کی نسبت شعوری طور پر کم اندلسی ہیں۔ آج اندلسی پہلے کی طرح اپنے آپ کو عرب آبادی کے اندر ایک الگ نسل نہیں سمجھتے۔ اندلسی روایات کے ان جزائر کی شہری تہذیب کے خلاف دیہاتی بربر عوام کے صدیوں پُرانے تعصب کا اظہار آج کل فیض کی امارت پرستی پر تحقیر آمیز نکتہ چینی، سیاسی بذلہ سنجی، اقتصادی قوت کے حصول اور مخصوص رباطی چرب زبانی کے ذریعے ہونے لگا ہے ۔

اندلسیوں کے لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ الگ تھلگ وطن اور طرزِ زندگی رکھنے والی مراکش کی درباری ثقافت کی بقا کے لیے، جو لازماً اندلسی بھی ہے، جدوجہد کریں یا اس سے کوئی سروکار رکھیں۔ اسی طرح کوئی اندلسی تحریک ایسی نہیں ہے جو اندلسی قومیت کی تحریک سے مطابقت رکھتی ہو۔ اندلسیوں کی انفرادیت کی شناخت کرانے کے لیے بلاس انفانٹے کا جہاد اتنا ہمہ گیر تھا کہ اُس نے ۱۹۰۰ء کے عشرے تک اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا تھا ۔

بلاس انفانٹے کی طرح اس کا ایک ہم عصر اور عظیم شاعر گارسیا لورکا بھی تھا، جو اس "گناہ" میں کہ وہ اندلسی ہے، فاشسٹوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اب یہ دونوں رہنما اندلس کے دو ممتاز سپوتوں کی حیثیت سے معروف و مشہور ہیں۔ سپین میں حکمران سوشلسٹ جماعت کے حکمران جوڑے (وزیرِاعظم فلیپے گونزالیز اور اُس کا ڈپٹی میئر الفانسو گویرا) کا

تعلق اشبیلیہ سے ہے۔ مراکش میں ادب کے لیے نوبل پرائز کے دو امیدوار دیرس شریبی اور طاہارین زیلون ہیں، حالانکہ ان دونوں نامور ادیبوں میں سے کوئی ایک بھی اندلسی قومیت کے نظریے کا حامی نہیں ہے۔ مشہور مصنف جوان گوئٹی سولو کا، جو عرب ہے اور مراکشی ثقافت پر سپین کی ممتاز شخصیت اور سند شمار کی جاتی ہے، تعلق بھی اندلس سے نہیں ہے، حالانکہ اس بات سے پی۔ اے کے اُس دعوے کی تردید ہوتی ہے جس کے مطابق جوان گوئٹی سولو پی۔ اے کا حامی ہے۔

عربوں کے ساتھ تعلقات کی نئی لہر

اسلام کے ساتھ اندلسیوں کی گہری وابستگی کا دوسروں نے غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ مسجد قرطبہ میں، جو اب گرجے کے طور پر استعمال نہیں ہوتی اور مسلمانوں کو واپس کر دی گئی ہے، نماز کے موقع پر سعودی عرب کے ایک عالم دین نے پُرزور تقریر کی، اس تقریر میں اُنھوں نے اِس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ مسلمان دوبارہ اپنے مذہب کے ساتھ رشتہ استوار کر کے بہت جلد اندلس پر حکومت کریں گے۔ اس تقریر پر قرطبہ کے آزاد خیال بشپ کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ سعودی عالم نے مہمان ہونے کا غلط فائدہ اُٹھایا ہے۔ قرطبہ کے شہریوں نے اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے سرکاری عمارتوں پر اس تقریر کے خلاف نعرے لکھے۔

اسلام میں داخل ہونے والے سپینی مسلمانوں کی تعداد غالباً ۸۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ ان میں سے بھی بیشتر نے مذہب کے تقابلی جائزے کی بجائے ثقافتی حوالے سے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے۔ دوسری طرف غرناطہ اور چند دوسرے اندلسی شہر بھی اسلام کی نشر و اشاعت کا مرکز بن گئے ہیں۔ یہاں کئی غیر ملکی مسلم بنیاد پرستوں اور قدامت پسند جماعتوں نے اسلامی عظمت کی نمائندہ یادگاروں کے قرب و جوار میں اپنے دفتر بنا کر ایک نئی قسم کی حریت پسندی کا آغاز کیا ہے۔ ان میں ایک قابلِ ذکر گروہ سکاٹ لینڈ کے ایان دالاس کا

ہے، جو شیخ عبدالقادر المراتب کے نام سے مشہور ہیں۔ وقت کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ شیخ موصوف ہر شخص اور ہر گروہ کے خلاف جہاد کا اعلان کر کے عداوت اور نفرت کی علامت بن کر سامنے آئے ہیں، اور اپنے دعوے کے مطابق، اپنی پُرجوش آتش بیانی میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایک گھومنے پھرنے والا ایان ڈیلس، صوفی کی قبا میں نطشے کی طرح لگتا ہے[۸] وہ اسلامی پی۔ اے کے سیاستدانوں کے، جو اندلس کے سنہری دور کے تذکرے کرتے ہیں، خلاف ہیں۔ وہ حد بندیوں کو گناہ سمجھتے ہیں اور قرطبہ کے آزاد خیال فلسفیوں کے اشتعال انگیز فکری تجربات میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

کوئی ہسپانوی ایان ڈیلس ایسا نہیں جو، قرون وسطیٰ کے اس قسم کے بہت سے دوسرے گروہوں کی طرح ایک جگہ پر قیام پذیر ہو۔ اس کے زیادہ تر حواری شمالی افریقہ کے نومسلم لوگ ہیں۔ لیکن جہاں تک سیاہ فام آبادی کو معتقد بنانے کی کوششوں کا تعلق ہے، یہ امر خاصا تکلیف دہ ہے[۹]

اندلسیوں کے لیے دوسرا بڑا چیلنج وہ ہجوم ہے، جس کا تعلق شمالی افریقہ کے لاکھوں مایوس لوگوں سے ہے۔ یہ لوگ سپین کے راستے فرانس یا شمالی یورپ پہنچنے کی آرزو میں رات کی تاریکی میں ساحلِ سمندر پر آتے ہیں۔ ایک درجن سے زیادہ افریقی ممالک سے آئے ہوئے ان لوگوں کی پہلی منزل مراکش کا شہر تانگیر ہوتی ہے، جہاں سے وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ذریعے دوسری طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تقریباً ہر رات پولیس اور فوجی اس طرح کی کشتیوں کو پکڑتے ہیں اور سینکڑوں لوگ خفیہ راستوں کی تلاش میں بے شمار حادثوں میں ہلاک ہو گئے ہیں — یہ ۹۲ - ۱۹۹۱ء میں مغربی یورپ کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ دہشت زدہ جنوب کی طرف سے آنے والے انسانی سیلاب کی زد میں اہلِ اندلس سرِ فہرست ہیں۔

مفلس و نادار مُوروں کے اس قسم کے حملے سے مقامی آبادی خوف زدہ ہے، جس کی وجہ سے اندلسیوں کے لیے قرطبہ اور غرناطہ میں اسلامی عظمت و شکوہ کی نشان دہی کرنا روز بروز انتہائی مشکل بنتا جا رہا ہے، اور بہت سے اندلسی اس نعرے میں: "ہشیار باش! ساحل پر مسلمان موجود ہیں" اپنی آواز شامل کرنے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔ فھل من مدکر۔

حوالہ جات

۱ ہسپانوی زبان میں لفظ مورو Moro انگریزی زبان کے لفظ مور Moor کی طرح کی کوئی نسلی تعبیر نہیں ہے، مورو مسلمان کے معنی میں بولا جاتا ہے، خواہ وہ نسلاً کسی بھی جماعت سے تعلق رکھتا ہو، عرب ہو یا افریقی، پاکستانی ہو یا کوئی اور، جب فلپائن میں ہسپانیوں کا مسلمانوں سے آمنا سامنا ہوا، تو انھوں نے مسلمانوں کو 'مورو' کہا، پھر یہی نام لفظ 'مسلمان' کا مترادف بن گیا۔

[2] Lourdes Lucio, "Alejandro Rojas Marcos - Candidato del PA en Sevilla," *El País*, May 28, 91, p. 20.

[3] José Luis Acquaroni, *Andalucía - más que nacionalidad* (Barcelona: Editorial Noguer, 1980).
Manuel Ruiz Lagos, *El andalucismo militante* - dialéctica y crónica del "ideal andaluz" (Jérez de la Frontera: Centro de Estudios Históricos Jerezanos, 1979).
Fernando Repiso, José María Pacheco & Augusto Llorca, *Histórica básica de Andalucía* (Sevilla: Augusto Llorca Fernández, 1979).

[4] This has been corroborated in the excellent study by Ron Barkai, *Cristianos y Musulmanes en la Espana Medieval - El enemigo en el espejo* (Madrid: Ediciones Rialp, 1984).

[5] Juan Vernet, *Die spanisch-arabische Kultur in Orient und Okzident* (Zurich/Munich: Artemis Verlag, 1984).

[6] Feliciano Fidalgo, "Deprisa, deprisa - la odisea de los emigrantes marroquíes que atraviesan España hacia sus lugares de trabajo en Europa," *El País Domingo*, Aug. 31, 68. Pp. 1-3.
Anunchi Bremón, "Algeciras, un mal paso - 700,000 personas atravesarán una ciudad," *El País*, July 5, 89. P. 21-22.
"Bada'at rihlat al-'auda ila l-junúb," *Ash-Sharq Al-Ausat*, March 2, 89. P. 5.

۲ حضرت شیخ ابن عربیؒ نے اپنے شہرۂ آفاق اشعار میں، جنھیں ان کے دیوان 'ترجمان الاشواق' میں دیکھا جا سکتا ہے، اس مضمون کو یوں باندھا ہے:-

لقد صار قلبی قابلاً کلَّ صورۃ
فمرعی لغزلان و دیرٌ لرھبان

وبیت لا وثان وکعبۃ طائف
و ألواح تورات و مصحف قرآن
ادین بدین الحبّ انّی توجّہت
رکائبہ فالدین دینی و ایمانی

۸ میڈرڈ اور ہمبرگ میں راقم کی (خالد دوران) شیخ عبدالقادر کے ساتھ طویل بات چیت ہوئی ہے، وہ یہاں ایک صوفی مرکز کا دورہ کرنے آئے تھے۔ اس گفت وگو میں راقم ترجمان کی حیثیت سے موجود تھا۔

[9] Marie Morales, "Por la mística hacia Allah," *Triunfo*, April 82, pp. 40-43.

[10] Diego Narváez, "Algeciras, la última frontera," *El País Domingo*, May 5, 91, pp. 10-11.
Roy Wickam, "One-way tickets to nowhere," *The European*, May 10-12, 91.